بڑے دن کی ایک شام

تحریر: خلیل جبران
ترجمہ: یوسف جلیل

شام کی خاموشی ہر سو مسلط ہوگئی۔ گہری تاریکیوں نے شہر کے دَر و دیوار کو چھپالیا۔ اور محلات و عمارات میں روشنی جلوہ گر ہوگئی۔ لوگ عید ولادت المسیح کے باعث نئے نئے کپڑے پہن کر ہر کوچہ و برزن میں پھرنے لگے۔ اُن کے چہروں سے خوشی و شادمانی ٹپکتی تھی۔ اور منہ سے انواع و اقسام کے کھانے اور شراب کی بُو آتی تھی۔

مَیں ہجوم اور اُسکے شور و غل سے کہیں دُور المسیح کے خیالات میں محو اور اس کی یاد میں گم سم اکیلا ہی سیر و گردش کرنے لگا۔ مَیں قوموں کے سرتاج کی یاد میں کھو جانے لگا، جو تنگ دستی، غریبی اور مفلسی کی حالت میں پیدا ہوا، جس نے تجرّد کی زندگی بسر کی اور جو صلیبی موت مَرا۔ مَیں آگ کے اُس شعلے سے متعلق غور و خوض کرنے لگا، جسے روح القدس نے سوریہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں سلگایا تو وہ شہر شہر، ملک ملک، زمانوں کے سروں پر افشاں ہو کر چکر کاٹنے لگا۔

پھر جب مَیں پبلک گارڈن پہنچا تو ایک بنچ پر بیٹھ کر درختوں کی بے برگ و بار شاخوں میں سے پُر اژدھام راستوں کو دیکھنے لگا اور بڑا دن منانے والوں کے نغموں میں جن سے عیش و عشرت کی شوخی ٹپکتی تھی دُور سے سننے لگا۔ کچھ دیر گزشتہ خیالات میں کھوئے رہنے کے بعد اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک شخص کو قریبی بنچ پر بیٹھے پایا، جو اپنے عصا کی نوک سے زمین پر ایک دوسری سے مشابہ لکیریں سی بنا رہا تھا۔ مَیں نے سوچا کہ یہ بھی میری مانند اکیلا اور بے یار و مددگار ہے۔

مَیں نے اُس کے خد و خال کو گہری نظر سے دیکھا تو وہ پرانے اور بوسیدہ لباس میں ملبوس تھا۔ اس کے بارُعب اور پُر وقار بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ جب اُسے احساس ہوا کہ مَیں اُس کی شکل و شباہت کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا ہوں تو اُس نے میری طرف متوجہ ہو کر گہری اور پُر سکون آواز میں مجھے سلام کیا۔ مَیں نے اُس کے سلام کا جواب دیا۔ اور وہ پھر اپنے عصا کی نوک سے زمین پر لکیریں بنانے میں مصروف ہوگیا۔ چونکہ مَیں نے اُس کی نغمگی کو بہت پسند کیا تھا، اس لئے اُس سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ "کیا آپ اس شہر میں اجنبی ہیں؟" اس نے جواب دیا کہ "ہاں! مَیں اِس شہر میں پردیسی ہوں"۔

مَیں نے اُس سے کہا کہ "ہر اجنبی عید ولادت المسیح کے ایسے پُر مسرت موقع پر لوگوں کی مہر و محبت اور شفقت کو دیکھ کر اپنی

کلفت، رنج وغم اور پریشانی کو بھول جاتا ہے"۔ اُس نے جواب دیا کہ "مَیں ایسے ہی موقعوں پر اجنبی ہوتا ہوں، بلکہ کئی بار تو میری اجنبیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے"۔ یہ کہنے کے بعد اُس نے نیلگوں فضا کی جانب گہری نظر سے دیکھا۔ اُس کی آنکھیں پھیل گئیں اور ہونٹ تھرتھرائے۔ گویا اُس نے فضا کے طویل سفر پر اپنے وطن کی (جو وہاں سے کوسوں دور تھا) پریشانیاں مشاہدہ کی ہوں۔

مَیں نے مُہرِ سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ لوگ موقعوں پر ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں۔ چنانچہ اُمرا کے ہاں غریبوں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ اور طاقت ور اشخاص کمزور اور بے بس لوگوں پر اظہارِ شفقت کرتے ہیں۔ اس پر اُس نے جواب دیا "اُمرا غریبوں پر شفقت اور مہربانی ذاتی محبت کی بناء پر کرتے ہیں۔ اور طاقت ور اور ذی جاہ وحشم اشخاص کا تنگ دستوں سے حسنِ سلوک شانِ برتری اور فخر سے خالی نہیں ہوتا"۔

مَیں نے اُس سے کہا "آپ نے سچ فرمایا، لیکن فقیر اور غریب لوگ امیروں کی خواہشوں اور رغبتوں کی مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ بھوکے اور مسکین لوگ روٹی کا خوابِ شیریں دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ نہیں سوچتے کہ روٹی کس محنت و جان فشانی سے مہیا ہوتی ہے"۔ اُس نے جواب دیا وہ شخص جسے کچھ عطاء کیا جائے کبھی نہیں سوچتا، لیکن عطاء کرنے والے کی بابت سوچنا اور غور وفکر کرنا واجب الاحترام اور لازم ہے"۔

مَیں نے اُس کی باتوں کو بہت پسند کیا۔ اور پھر سے اُس کی عجیب وغریب شکل وشباہت اور پھٹے پرانے کپڑوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس پر نگاہ ڈالتے ہی میں یوں گویا ہوا کہ "ایسا لگتا ہے جیسے آپ کو کوئی ضرورت درپیش ہے۔ کیا آپ یا دو درہم قبول نہیں کریں گے؟" میری بات سن کر اُس کے ہونٹوں پر تبسم کھلنے لگا۔ اُس نے کہا "مَیں محتاج اضرورت مند ہوں، لیکن مَیں مال ودولت کا ہرگز محتاج نہیں"۔ مَیں نے پوچھا "تو پھر آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے؟"

اُس نے جواب دیا "مجھے پناہ گاہ کی ضرورت ہے۔ مجھے سر لگانے کے لئے مناسب جگہ چاہیے"۔ مَیں نے کہا "آپ مجھ سے دو درہم لے کر سرائے میں جائیں اور کمرہ کرائے پر لے لیں"۔ اُس نے جواب دیا "مَیں اس شہر کی ہر ایک سرائے میں گیا، مگر کوئی جگہ نہ ملی۔ مَیں نے ہر دروازے پر دستک دی، لیکن مجھے کوئی دوست یا آشنا نہ ملا۔ مَیں ہر ایک ہوٹل میں گیا، مگر مجھے کسی نے روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ دیا"۔

مَیں نے اپنے جی میں کہا یہ کیسا عجیب وغریب شخص ہے۔ کبھی فلسفیوں کی طرح باتیں کرتا ہے اور کبھی دیوانوں کی مانند بولنے لگتا ہے۔ ابھی دیوانہ لفظ میری روح کے کانوں تک پہنچا ہی تھا کہ اُس نے مجھے ٹکٹکی لگاتے ہوئے بہ آوازِ بلند کہا "ہاں! مَیں دیوانہ ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی میری مانند دیوانہ ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا اور اپنے آپ کو بھوکا، پیاسا، بے خانماں اور بے گھر پاتا ہے"۔

مَیں نے اُس سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ”مہربانی فرما کر میرے شکوک وشبہات سے درگزر کریں۔ مَیں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں؟ آپ کی باتیں بڑی عجیب وغریب ہیں۔ لیکن کیا آپ میری دعوت قبول نہیں کریں گے کہ میرے ساتھ جا کر میرے گھر میں رات بسر کریں“۔ اُس نے جواب دیا ”مَیں نے تیرا دروازہ بار بار کھٹکھٹایا لیکن وہ تو میرے لئے کُھلا ہی نہیں“۔ اِس پر مَیں نے کہا کہ ”مجھے آپ کو دیوانے پن کی حقیقت معلوم ہوگئی ہے۔ لہٰذا مہربانی سے میرے ساتھ چلیں اور میرے گھر پر آرام فرمائیں“۔

اُس نے سر اوپر اُٹھاتے ہوئے کہا کہ ”اگر تُو مجھے جانتا تو یہ دعوت ہرگز نہ دیتا“۔ مَیں نے کہا تو پھر آپ کون ہیں؟“ اُس نے گہرے پانیوں کی آواز میں کہا کہ ”مَیں وہ انقلاب ہوں جسے دُنیا کی قومیں پیدا کرنے کے بعد معدوم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ مَیں وہ طوفان ہوں، جسے نسلیں برپا کرتی اور روکتی ہیں۔ مَیں وہ ہوں جو اِس لئے آیا کہ خانوادوں میں تلوار چلوائے نہ کہ صلح وسلامتی لائے“۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہوا۔ اور اُس کا قد طویل تر ہونے لگا۔ اُس کا چہرہ آفتاب کی مانند تاباں اور درخشاں ہوگیا۔ جب اُس نے اپنے دونوں بازو فضاء میں پھیلائے تو اُس کے ہاتھوں پر کیلوں کے نشان دکھائی دیئے۔

مَیں اُس کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا اور بلند آواز سے چلّایا ”اَے یسوعؑ ناصری!“۔ پھر مَیں اُسے یہ کہتے سنا کہ ”دُنیا کے لوگ میرے نام پر بڑا دن مناتے ہیں۔ زمانوں نے میرے نام کے گرد رسومات کا تانا بانا بُن دیا ہے۔ لیکن مَیں وہ اجنبی ہوں جو مشرق ومغرب میں سرگرداں رہتا ہے۔ اقوامِ عالم میں کوئی ایسا شخص نہیں جو میری حقیقت سے پورے طور پر آگاہ اور واقف ہو۔ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے، لیکن ابنِ آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں ہے“۔ یہ کہہ کر وہ یکا یک غائب ہوگیا۔ مَیں نے اپنا سر اُٹھایا تو مجھے بخور کے ستون کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اور رات کی آواز کے سوا جو ابدیت کی گہرائیوں سے آ رہی تھی کچھ سنائی نہ دیا۔